© rasailojaraid.com

اردو شاعری میں فلسفۂ وحدت الوجود

ڈاکٹر عنوان چشتی

شعبۂ اردو۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی ۲۵

اسلام کی وہ تعبیر جس میں "اعمال ظاہری" پر حکم لگایا جاتا ہے لیکن اعمال باطنی کی نفی نہیں کی جاتی فقہ کہلاتا ہے اور اسلام کی وہ تعبیر جس میں اعمال باطنی پر زور دیا جاتا ہے لیکن اعمال ظاہری سے صَرفِ نظر نہیں کیا جاتا "تصوف" کہلاتا ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے کہ ابتدائً شریعت اعمالِ ظاہری اور باطنی دونوں پر محیط تھی لیکن آگے چل کر شریعت کے "جزء متعلق بہ اعمالِ ظاہری" کا نام فقہ اور "جزء متعلق بہ اعمال باطنی" کا نام تصوف ہوگیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہ اور تصوف میں تضاد نہیں بلکہ یہ ایک ہی حقیقت کے دو رُخ ہیں۔ انھوں نے تصوف کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ اعمالِ باطنی کے طریقوں کو طریقت کہتے ہیں۔ پھر ان اعمال باطنی کی درستی سے قلب میں جو صفا اور جلا پیدا ہوتا ہے اور اس سے انسان حقائق الٰہیہ اور حقائقِ کونیہ سے آگاہ ہوتا ہے نیز اس پر عبد و معبود کے رشتہ کے اسرار کھلتے ہیں ان مکشوفات کو حقیقت اور اس انکشاف کو معرفت کہتے ہیں[1]۔ مختصراً یہ کہ

۱؎ التکشف عن مہمات التصوف، ادارہ تالیف اولیاء، دیوبند ۱۹۶۲ء ص ۲۱۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تصوف اسلام کے دائرے میں ہے اور شریعت کا ایک مخصوص پہلو ہے جو تزکیۂ باطن اور تہذیب نفس پر زور دیتا ہے۔ اور بصارت پر بصیرت نیز معلومات پہ معرفت کی فوقیت پر اصرار کرتا ہے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے فرمایا ہے کہ "تصوف کا اوّل علم اوسط عمل اور آخر عطا من اللہ تعالیٰ ہے[1]۔ جس کو دوسرے الفاظ میں بالترتیب تصوف کے علمی عملی اور کشفی پہلو کہا جا سکتا ہے تصوف کے ارتقائی عمل میں علم پہلا مرتبہ ہے حضور اکرمؐ کا ارشاد اقدس ہے کہ علم کا حصول ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ اور حکمت مسلمان کی کھوئی ہوئی میراث ہے حضرت سید علی ہجوری داتا گنج بخشؒ نے علم کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ پہلی علم ظاہری دوسری علم باطنی۔ علم ظاہری میں کلمۂ شہادت اور اسلام کے بنیادی اصولوں اور ارکان سے واقفیت شامل ہے۔ اور علم باطنی میں "معرفت الٰہی کی تحقیق شامل ہے۔ انھوں نے علم پر بلیغ گفتگو کی ہے نیز علم شریعت کے ارکان، علم طریقت کے ارکان کا تجزیہ کیا ہے۔ اسی سلسلہ میں علم من اللہ، علم باللہ اور علم الیقین، عین الیقین نیز حق الیقین کی وضاحت فرمائی ہے[2] حضرت غوث الاعظمؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بھی علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کی تشریح کی ہے۔ اس تمہید کا صرف یہ مقصد ہے کہ تصوف کے علمی پہلو میں علم کی زبردست اہمیت ہے۔ تصوف کا علمی دائرہ جیسا کہ ابتدا میں اشارہ کیا جا چکا ہے مسائل الٰہیہ اور مسائل کونیہ دونوں پر محیط ہے۔ فلسفہ و تصوف میں دونوں مسائل ایک دوسرے کے لیے ناگزیر ہیں چونکہ تمام مسائل کو سمیٹنا ممکن نہیں ہے اس لیے یہاں فلسفۂ تصوف کی روشنی میں تصور وجود و موجود کی وضاحت اردو شاعری کے حوالے سے کی جاتی ہے۔ یعنی حضرت محی الدین ابن عربی کے

---

[1] عوارف المعارف (مترجم) ابوالحسن، نولکشور لکھنؤ ۱۸۹۰ء ص ۳۱۸ - ۴۸ -

[2] کشف المحجوب (مترجم) غلام معین الدین نعیمی، نوری بک ڈپو لاہور ص ۴۴ - ۴۵ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فلسفۂ وحدت الوجود کے ہر پہلو، درجے اور جہت کو اردو شاعری میں تلاش کرنے اور اس کی معنویت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

تصور وجود کیا ہے۔ تصور توحید ہے جو اسلام کا بنیادی اصول ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ خدا ایک ہے۔ حضرت سید علی ہجوری داتا گنج بخش رحؒ نے لکھا ہے کہ توحید کا مفہوم خدا نے خود ہی واضح کر دیا ہے قرآن کریم میں آیا ہے کہ (ترجمہ) "تمہارا صرف ایک معبود ہے۔" تم دو معبود نہ بناؤ بلا شبہ وہ معبود ایک ہے"۔ اور کہو اے محمد" اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کے بعد حضرت علی ہجوری نے تصور توحید کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ توحید تین قسم کی ہے۔ اوّل حق تعالیٰ کی توحید اسی کے لیے۔ یہ حق تعالیٰ کا علم ہے کہ وہ اکیلا ہے۔ دوم توحید حق مخلوق کے لیے۔ یہ خدا کا علم ہے کہ اس نے بندہ کے دل میں توحید پیدا فرمائی۔ سوم مخلوق کی توحید خدا کے لیے۔ یہ مخلوق کا علم ہے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ساتھ۔ لہٰذا جب بندہ حق کے ساتھ عارف ہو جاتا ہے تو وہ اس کی وحدانیت پر حکم کر سکتا ہے[1] حضرت جامی رحؒ نے نفحات الانس میں توحید کے چار مراتب بیان کیے ہیں یعنی توحید ایمانی، توحید علمی، توحید حالی اور توحید الٰہی انھیں مدارج کو حضرت غوث علی شاہ قلندر رحؒ نے توحید شریعت، توحید طریقت، توحید معرفت اور توحید حقیقت کا نام دیا ہے[2] چونکہ اردو شاعری میں تصور توحید کے بعض مراتب کا جا بجا ہی اظہار ہوا ہے اس لیے مختصراً ان مراتب کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ توحید ایمانی میں لا الٰہ الا اللہ کا اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب ضروری ہے۔ جس کا مفہوم لا معبود الا اللہ بھی ہے

---

[1] کشف المحجوب (مترجم) غلام معین الدین نعیمی، نوری بک ڈپو لاہور ص ۲۶۷، ۲۶۸۔
[2] تذکرۂ غوثیہ۔ سلطان بکڈپو حیدرآباد ص ۱۳۰، ۱۳۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس منزل میں عبد و معبود کے درمیان حجاب غیریت حائل رہتا ہے۔ لیکن شرک جلی سے نجات مل جاتی ہے اردو شاعری میں یہ تصور ملتا ہے مثلاً ؎

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کے رقم کا ۔۔۔ حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا
اس مسند عزت پہ کہ تو جلوہ نما ہے ۔۔۔ کیا تاب گزر ہوئے تعقل کے قدم کا
بستے ہیں ترے سایہ میں سب شیخ و برہمن ۔۔۔ آباد تجھی سے تو ہے گھر دیر و حرم کا
ہے خوف اگر جی میں تو ہے تیرے غضب سے ۔۔۔ اور دل میں بھروسہ ہے تو ہے تیرے کرم کا

خواجہ میر درد

نمایاں کر دیا اس نے بہار روئے خنداں کو ۔۔۔ کہ دی نغمہ کو مستی، رنگ بخشا صبح بہاراں کو
ہاں اے نگار خوبی وائے جانِ دلبری ۔۔۔ تو نے حیات بخشی ہے صبح بہار کو

اصغر گونڈوی

خواجہ میر درد کے اشعار میں خدا کی وحدت کے اقرار کے ساتھ اپنی عبدیت کا احساس بھی کارفرما ہے اور اسی کو کائنات کا مبدأ و سرچشمہ اور معبود تصور کیا گیا ہے نیز اس کی صفات جمالی کا عرفان بھی کارفرما ہے۔ اس کے اوصاف کے لکھنے میں عجز کا اقرار کرنا اسی کو لوح و قلم کا خداوند قرار دینا، اس کی مسند عزت تک تعقل کے قدم کا گزر نہ ہونا، اسی سے دیر و حرم کا آباد ہونا اور اسی کے سایہ میں شیخ و برہمن کا بسنا، اسی کے خوف سے جی کا لرزنا اور اسی کے کرم پر بھروسہ کرنا محض یوں ہی نہیں بلکہ ان اشعار میں اسلامی تصور توحید، شاعرانہ حسن کے ساتھ جلوہ گر ہے اصغر کے اشعار میں اسی نغمہ کو مستی اور صبح بہار کو رنگ عطا کرنا اور بہارِ روئے خنداں کو نمایاں کرنا، نیز اسی نگارِ خوبی و جانِ دلبری کا صبح بہار کو حیات بخشنے کا عرفان بھی تصور توحید کا دلکش شعری اظہار ہے جس پر رنگِ مجاز غالب ہے اردو شاعری میں توحید ایمانی اور توحید شریعت کا رنگ بہت گہرا اور روح پرور ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

توحید علمی میں صوفی خدا کے سوا کسی کو موجود حقیقی نہیں سمجھتا جو مظاہر اور موجودات اپنی ذات، صفات اور افعال کے ساتھ نظر آتے ہیں ان کا انحصار خدا کی ذات صفات اور افعال پر ہے۔ اس منزل میں صوفی کائنات کے تمام مظاہر کو خدا کے نور کا پرتو سمجھتا ہے اور ان میں جمال خداوندی کا نظارہ کرتا ہے۔ یہ فنائے غیریت کی پہلی منزل ہے۔ اردو شاعری میں توحید علمی کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔

مثلاً ؎

تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا — خورشید میں بھی، اس کا ہی ذرہ ظہور تھا۔ (درد)

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا — تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا (درد)

ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے — پرتو سے آفتاب کے ذرہ میں جان ہے (غالب)

ان اشعار میں اس کے حسن سے ہر نور کا مستعار ہونا، خورشید میں اس کا ذرہ ظہور ہونا، جگ میں اِدھر اُدھر دیکھنے کے باوجود اسی کا نظر آنا، کائنات کو اسکے ذوق سے حرکت ہونا، اور آفتاب (حقیقی) کے پرتو سے ذرہ میں جان ہونا توحید علمی کا منظر نامہ ہے چونکہ اس منزل میں صوفی کے دل پر انوار الٰہی کا نزول ہوتا ہے اس لیے جلوؤں کی فراوانی کی وجہ سے یہ مقامِ حیرت بھی ہے، چنانچہ ان کے جلوؤں کی حیرت فزائیوں پر روح پرور اشعار ملتے ہیں۔ مثلاً :- ؎

اللہ رے ان کے جلوؤں کی حیرت فزائیاں — یہ حال ہے کہ کچھ نہیں آتا نظر مجھے

ترے جلوؤں کے آگے ہمت شرح وبیاں رکھ دی — زبانِ بے نگہ رکھ دی نگاہِ بے زباں رکھ دی

اک عالم حیرت ہے فنا ہے نہ بقا ہے — حیرت بھی یہ حیرت ہے کہ کیا جانئے کیا ہے

جز دلِ حیرت آشنا اور کو یہ خبر نہیں — اک مقام ہے جہاں شام نہیں سحر نہیں

نمودِ حسن کو حیرت میں ہم کیا کیا سمجھتے ہیں — کبھی پردہ سمجھتے ہیں کبھی جلوہ سمجھتے ہیں

اتنا سا یہ حیرت کا کرشمہ نظر آیا، — جو تھا پس پردہ سر پردہ نظر آیا۔

اصغر گونڈوی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

توحید حالی کی منزل میں صوفی کی نگاہ سے اپنی ذات اور کائنات معدوم ہو جاتی ہے اور اس پر جمالِ خداوندی کا انکشاف ہوتا ہے۔ صوفی جمال خداوندی میں اس طرح محو ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے مشاہدہ کو بھی خدا کا مشاہدہ تصور کرتا ہے۔ صوفیائے کے عقیدہ کے مطابق سالک کو اس منزل میں شرک خفی سے بھی نجات مل جاتی ہے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ وہ کیفیت ہے جہاں صوفی کے لیے مشاہدۂ حق میں خلق حجاب نہیں بنتی اور مشاہدۂ خلق میں حق حجاب نہیں بنتا یعنی وہ حق میں خلق کو اور خلق میں حق کا مشاہدہ کرتا ہے[۵] اردو شاعری میں یہ رنگ بھی نظر آتا ہے۔

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے ۔ حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس شمار میں (غالب)
اس عالم تصویر کو دیکھا تو یہ دیکھا ۔ میری ہی نظر محو ہے، میری ہی نظر میں (فانی)
انتہا دید کی یہ ہے کہ نہ کچھ آئے نظر ۔ کیف بے رنگیٔ حیرت ہے نظر کی معراج (اصغر)
ترا جلوہ، ترا انداز، ترا ذوقِ نمود ۔ اب یہ دنیا نظر آتی نہیں دنیا مجھکو (اصغر)

اصل شہود و شاہد و مشہود کو ایک سمجھنا، عالم تصویر کے نظارہ کو اپنی نظر کی اپنی ہی نظر میں محویت قرار دینا، دید کی انتہا پر کیف بے رنگی حیرت کا احساس ہونا، دنیا کو اسی کا جلوہ، اسی کا انداز اور اسی کا ذوقِ نمود قرار دینا توحید حالی کا تصور ہے۔

توحیدِ الٰہی میں صوفی خیال کرتا ہے کہ جس طرح ذات باری تعالیٰ ازل میں تھی کہ اس کے سوا کوئی نہ تھا۔ اسی طرح آج بھی ہے کہ اس کے سوا کچھ نہیں اور اسی طرح مستقبل میں رہے گی کہ اس کے سوا کچھ نہ تھا۔ یعنی وجود و موجود ایک ہے اور حق ہے۔ اور حق کے سوا کچھ نہیں، یہی توحید وجودی ہے۔ توحید وجودی کا نقطۂ آغاز توحید علمی کا تصور تھا اور نقطۂ معراج توحید الٰہی ہے۔ توحید وجودی کا سرمحقق "ہمہ اوست" اور اصول "ہمہ موجودات یک وجود حق دانستہ"

---

[۵] عوارف المعارف مترجم ابوالحسن۔ نولکشور۔ لکھنؤ ۱۸۹۰ء ص ۳۱۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اس تصور میں حقیقت اعلیٰ ذات اور صفات کی حامل ہے، اس نے مرتبۂ قدیم یا باطن میں سرمو تبدیلی نہ فرماتے ہوئے مرتبۂ ثانی یعنی خارج میں ظہور فرمایا ہے۔ وہ مرتبۂ ذات میں واحد اور مرتبۂ صفات میں کثرت ہے۔ اس طرح جو موجود ہے وہی وجود ہے اور جو وجود ہے وہی موجود ہے یعنی ذات اور کائنات کے مابین رشتۂ غیریت نہیں بلکہ رشتۂ عینیت ہے۔ اردو شاعری میں یہ انداز فکر اپنی پوری دلربائی کے ساتھ جلوہ گر ہے ۔

ہے غلط گر گمان میں کچھ ہے — تجھ سوا بھی جہان میں کچھ ہے (درد)
ہووے کب وحدت میں کثرت سے خلل — جسم و جاں گو دو ہیں پر ہم ایک ہیں (〃)
حسن ہے ذات مری عشق صفت ہے میری — ہوں تو میں شمع مگر بھیس ہے پروانے کا (فانی)
یہ جستجو ہے کہ ہے عالم مجاز کہاں — تلاش چشم حقیقت نگر نہیں ہے مجھے (〃)
جو نقش ہے ہستی کا دھوکا نظر آتا ہے — پردہ پہ مصور ہی تنہا نظر آتا ہے (اصغر)
سو بار ترا دامن ہاتھوں میں مرے آیا — جب آنکھ کھلی دیکھا اپنا ہی گریباں ہے (〃)
خودی ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری — نہ ہے زماں نہ مکاں لا الٰہ الا اللہ (اقبال)
نفی ہستی کرشمہ ہے دلِ آگاہ کا — "لا" کے دریا میں نہاں موتی ہے الا اللہ کا (اقبال)
چھا گیا عالم پہ تیرا رنگ و بو میری طرح — ہو گیا سارا زمانہ تو ہی تو میری طرح (مکیش)
ہر ایک رخ ترا رخ ہے ہر ایک سمت تری ذات — کروں میں کس کی طرف پشت کس کی سمت سجود (〃)

ان اشعار میں تجھ سوا جہاں میں کچھ نہ ہونا، کثرت سے وحدت میں خلل نہ آنا، حسن، ذات اور عشق، صفت ہونا نیز شمع کا پروانہ اور پروانہ کا شمع ہونا، تلاشِ چشم حقیقت نگر سے انکار کرنا بلکہ عالم مجاز کی جستجو کرنا، پردہ پہ تنہا مصور کا ہی نظر آنا اور ہر نقش دھوکا دکھائی دینا، ہر بار اس کے دامن پہ ہاتھ ڈالنا لیکن ہر بار اپنا ہی گریباں ہاتھ میں آنا، زمان و مکاں کا نہ ہونا اور صرف لا الٰہ الا اللہ کا عرفان ہونا "لا" کے دریا میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الا اللہ کا موتی نہاں ہونا۔ اس کا رنگ و بو کے عالم پر میری طرح چھا جانا اور سارا زمانہ میری طرح تو ہی تو ہو جانا نیز ہر رُخ ہر سمت، اسی کا رخ اور اسی کی ذات ہونا وجودی انداز فکر ہے۔ اردو شاعری میں جہاں موجود کو وجود قرار دیا گیا ہے اور اس کو حق کہا گیا ہے وہ اسی نظریہ کا اثر ہے۔

وجود سے موجود تک کا سفر، قطرہ کے گہر بننے کا عمل ہے حضرت محی الدین ابن عربیؒ نے اس کو ایک مخصوص نظام فکر بنا دیا ہے۔ اس نظامِ فکر کے دو دائرے ہیں: ایک الٰہیہ اور دوسرا کونیہ۔ بقول میکش اکبرآبادی دائرۂ الٰہیہ میں وجود کا مرتبہ احدیت، مرتبۂ وحدت اور مرتبۂ واحدیت شامل ہے[لہ] دائرۂ کونیہ میں مرتبۂ ارواح، مرتبۂ امثال اور مرتبۂ اجسام شامل ہے۔ آخری مرتبہ انسان کا ہے، یہ سب مراتب کا جامع ہے۔ وجود کے اس درجہ بدرجہ موجود بننے کے عمل کا نام تنزلات ہے

—— مرتبۂ احدیت مرتبۂ ذات ہے جو اپنی ذات سے ہر نسبت اور ہر قید سے پاک ہے یہاں تک کہ مطلق کی قید سے بھی پاک ہے۔ اردو شاعری میں یہ عالم نظر آتا ہے۔

؎ میں وہاں ہوں جہاں نہیں میں بھی عالم و ماورائے عالم کیا (فانی)
مکاں و لامکاں کوئی نہیں ہے جہاں میں ہوں وہاں کوئی نہیں ہے (عنوان چشتی)

عالم اور ماورائے عالم کی نفی کر کے اس کیفیت کو محسوس کرنا جہاں شاعر خود موجود ہونے کے بعد بھی موجود نہیں ہے یا مکاں اور لامکاں کی نفی کر کے وہاں خود کو محسوس کرنا جہاں کوئی نہیں ہے منزلِ احدیت ہے۔ جو اپنی ذات سے ہر قید اور ہر نسبت سے پاک ہے۔ مرتبہ وحدت بھی مرتبۂ ذات ہے لیکن یہ علم اجمالی کی منزل ہے یعنی یہ مرتبہ ہے

لہ مسائل تصوف انجمن ترقی اردو ہند دہلی ۔ ص ۶۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جہاں حق تعالیٰ کو اجمالی طور پر اپنی ذات اور صفات کا علم ہے۔ مرتبہ واحدیت بھی مرتبہ ذات ہے لیکن یہ علم تفصیلی کی منزل ہے۔ یہ وہ مرتبہ ہے، جہاں اسم اللہ کا ظہور ہوا ہے اور اسے اپنی ذات صفات نیز مظاہر کا علم جزئیات کے ساتھ ہے اسی علم تفصیلی کا نام "اعیان ثابتہ" بھی ہے وہ صورتیں جو تخلیق عالم سے پہلے علم الٰہی میں تھیں "اعیان ثابتہ کہلاتی ہیں اور کائنات اور اس کے مظاہر "اعیان خارجہ" ہیں یعنی جو مرتبہ عینیت میں ذات مطلق ہے اور مرتبۂ علم میں "اعیان ثابتہ" ہے، وہی مرتبہ اجسام میں "اعیان خارجہ" ہے ——— ظہور ذات کے یہ تینوں درجے علم الٰہی میں اپنی ذات سے قدیم ہیں اور غیر فانی نیز ناقابلِ تغیر ہیں" وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ" "اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے" اس پر دلالت کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت محی الدین ابن عربیؒ کا ارشاد ہے:

"علم حق تین طرح کا ہوتا ہے (۱) علم ذاتی اس میں حق تعالیٰ خود ہی عالم خود ہی معلوم اور خود ہی علم ہے چونکہ حق تعالیٰ سب کا منشاء اور اصل ہے اس لیے اس نے جب خود کو جان لیا تو سب کو جان لیا (۲) علم فعلی۔ ذات حق سے بدرجۂ فیض اقدس تمام اشیاء کے حقائق و صور قبل خلق علم الٰہی میں نمایاں ہوتے ہیں اگر یہ علم نہ ہو تو حق تعالیٰ کے افعال اضطراری اور بے اختیار ہوں گے اور اشیاء کو پیدا کرنے کے بعد جاننا لازم آئے گا جو مستلزم جہل حق ہے جو محال ہے۔ (۳) علم انفعالی تمام اشیاء کو پیدا کرنے کے بعد عالم شہادت میں شہود ہوتا ہے علم ذاتی اور علم فعلی خدا تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں[1]

حضرت محی الدین ابن عربیؒ کا یہ خیال بھی ہے کہ معلومات حق یا اعیان ثابتہ کا مرتبہ ارادہ تخلیق سے پہلے کا ہے یعنی اعیان ثابتہ غیر مخلوق ہیں۔ اعیان ثابتہ اور حقائقِ اشیاء ظہورات اسماء الٰہی کے امکانات ہیں یہ تمام مراتب یعنی احدیت، وحدت اور

---

[1] فصوص الحکم (مترجم) عبدالقدیر صدیقی، الکتاب لاہور ۱۹۷۹ء ص ۵۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واحدیت "کن" یعنی ارادۂ تخلیق سے پہلے کے ہیں۔ اس لیے داخلی، الٰہی اور قدیم ہیں۔ اردو شاعری میں "اعیان ثابتہ" یا معلومات الٰہی کی تجلیاں بھی ملتی ہیں ؎

ماہیتوں کو روشن کرتا ہے نور تیرا اعیاں ہیں مظاہر ظاہر ظہور تیرا (درد)

آنکھیں جو ہوں تو عین ہے موجود ہر جگہ بالذات ہے جہاں میں وہ موجود ہر جگہ (میر)

آگے عالم عین تھا اس کا اب عین عالم ہے وہ

اس وحدت سے یہ کثرت ہے یاں میرا سب گیان گیا (میر)

ان اشعار میں اس کے نور کا ماہیتوں کو روشن کرنا، اعیان علمیہ کو مظاہر یعنی اعیان خارجہ کہنا اور اسی کو ظہور ظاہر بتانا، موجود کو عین اور اسی کا جہاں میں موجود بالذات ہونا یا عالم کو اس کا عین اور اس کے عین کو عالم قرار دینا اعیان ثابتہ اور معلومات الٰہی کی منزل ہے۔

وجودی فکر میں "کن" وہ لمحہ ہے جہاں ایک طرف وجود اور دوسری طرف موجود ہے یا ایک طرف ذات اور دوسری طرف کائنات ہے زارواح، امثال اور اجسام (علم الٰہی کا ظہور خارجی ہے حق تعالیٰ نے وجود خارجی کی تخلیق لفظ "کن" سے کی ہے کن امر کا صیغہ ہے، جس کے معنی ہیں ہو جا اور کائنات وجود میں آگئی۔ عدم کی تعریف فلسفہ میں یہ ہے کہ اس سے وجود نہیں ہوسکتا۔ وجود کی تعریف یہ ہے کہ معدوم نہیں ہوسکتا اس لیے باری تعالیٰ نے نہ عدم محض سے تخلیق کائنات کی اور نہ ہی وجود کو وجود ہونے کا حکم دیا۔ ابن عربیؒ کے مطابق خدا نے "اعیان ثابتہ" پر لفظ کن کے ساتھ تجلی فرمائی ا وہ خارج میں ظہور پذیر ہو گئے ——— اس سلسلے میں صوفیاء کا عقیدہ ہے تخلیق کائنات کا سبب اللہ تعالیٰ کی "خواہش خود بینی" ہے جس کے پس پردہ محبت کارفرما ہے۔ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا جب میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے کائنات کی تخلیق کی چونکہ خود بینی کے لیے آئینہ ضروری تھا اس لیے حق تعالیٰ نے کائنات کو تخلیق کیا اور اسے اپنے جمال کا آئینہ بنایا ——— یہ آئینہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تین مرتبوں پر مشتمل ہے یعنی عالم ارواح، عالم امثال اور عالم اجسام پر۔ اردو شاعری میں "خواہش خود بینی" اور محبت کا عجیب و غریب تصور ملتا ہے۔ مثلاً

عکس و شخص اس آئینہ میں جلوہ فرما ہو گئے
ان نے دیکھا آپ کو ہم اس میں پیدا ہو گئے (درد)

عالم آئینہ ہے جس کا وہ مصور بے مثل
ہائے کیا صورتیں پردہ میں بناتا ہے میاں (میر)

لایا ہے میرا شوق مجھے پردہ سے باہر
میں ورنہ وہی خلوتی راز نہاں ہوں (〃)

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود بیں (غالب)

ہو بھی چکے تھے دام محبت میں ہم اسیر
عالم ابھی اسیر زمان و مکاں نہ تھا۔ (فانی)

عشق ہے پرتو حسن محبوب
آپ اپنی ہی تمنا کیا خوب (〃)

ان اشعار میں آئینہ میں اس کی خود بینی سے عکس و شخص کا پیدا ہونا، جس مصور کا عالم آئینہ ہے اس کا پردہ میں صورتیں بنانا، خلوتی راز نہاں کو شوق کا باہر لانا، حسن کی خود بینی سے خلقت کا وجود ہونا اور دہر کو یکتائی معشوق کا جلوہ قرار دینا، دنیا کے بقید زمان و مکان ہونے سے پہلے ہی آپ اپنی محبت میں اسیر ہو جانا، عشق کو اپنی تمنا کے صلہ میں حسن محبوب قرار دینا خالص وجودی فکر ہے اور ارادۂ تخلیق نیز "خواہش خود بینی" کا جمالیاتی اظہار ہے۔

اردو شاعری میں عشق بھی ایک زبردست محرک کی صورت میں ابھرا ہے۔ ولی نے عشق مجازی و حقیقی کو شغل بہتر کہا ہے۔ میر کا خیال کہ سارے عالم میں عشق بھر رہا ہے۔ تصوف میں عشق مجازی عشق حقیقی کا زینہ ہے۔ وجودی فکر میں تو مجاز عشق کا خارجی اور حقیقت داخلی رخ ہے۔ یہ ایک نامیاتی قوت ہے جو کائنات کے ذرہ ذرہ میں جاری و ساری ہے۔ اردو شاعری میں اس کی رنگا رنگی کا جواب نہیں ملتا۔ مثلاً:

محبت نے ظلمت سے کاڑھا ہے نور
محبت نہ ہوتی نہ ہوتا ظہور

محبت مسبب محبت سبب
محبت سے آتے ہیں کار عجب

میر تقی میر، مثنوی شعلۂ عشق۔

کچھ حقیقت نہ پوچھ کیا ہے عشق
حق اگر سمجھو تو خدا ہے عشق

عشق حق ہے کہیں نبیؐ ہے کہیں
ہے محمدؐ کہیں علیؓ ہے کہیں

عشق عالی جناب رکھتا ہے
جبرئیلؑ و کتاب رکھتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عشق حاضر ہے اور غائب ہے — عشق ہی مظہر العجائب ہے

میر تقی میر: مثنوی معاملات عشق

ان اشعار میں محبت کا ظلمت سے نور کاڑھنا، محبت کے سبب ظہور حق ہونا، محبت کو سبب اور مسبب قرار دینا اسی نظریہ کا شاعرانہ اظہار ہے اور عشق کو خدا، نبی، محمد صلعم، علی کہنا۔ اس کو حاضر و غائب اور مظہر العجائب تصور کرنا وجودی فکر کا اظہار ہے اور عشق کو تخلیق کائنات کا محرک قرار دینا ہے۔

اقبال کے یہاں تو عشق خودی کی روح بن کر نمودار ہوا ہے۔ جس میں وجودی فکر کی پرچھائیاں بھی شامل ہیں۔ اقبال نے اپنی نظم "شمع اور شاعر" میں کہا ہے ؎

صبحِ ازل جو حسن ہوا دلستانِ عشق — آوازِ کن ہوئی تپش آموز جانِ عشق
یہ حکم تھا کہ گلشن کن کی بہار دیکھ — اک آنکھ لے کے خواب پریشاں ہزار دیکھ
مجھ سے خبر نہ پوچھ حجاب وجود کی — شام فراق صبح تھی میری نمود کی (اقبال)

اقبال نے ان اشعار میں آوازِ کن کو تپش آموز جانِ عشق اور حسن کو دلستانِ عشق کہا ہے۔ اور حجاب وجود سے اپنی نمود کی صبح کو شامِ فراق قرار دیا ہے اس میں وہی نظریہ تخلیق کائنات کار فرما ہے جس کا محرک عشق اور خواہشِ خود بینی ہے۔

صوفیاء کا عقیدہ ہے کہ موجودات متحرک اور متغیر ہیں۔ عالم ہر آن فنا ہوتا ہے اور ویسا ہی دوسرا پیدا ہو جاتا ہے لیکن ظاہر بین نگاہ کو اس کا فنا ہوتا اور موجود ہونا دکھائی نہیں دیتا۔ چونکہ تغیر موجود یعنی اعیان خارجہ میں ہوتا ہے، جو حادث ہے اور اعراض کا مجموعہ ہے۔ اس لیے یہ تغیر بھی حق تعالیٰ کی تجلی سے ہے۔ اللہ تعالیٰ مرتبۂ قدیم یعنی باطن میں اعیان ثابتہ پر تجلی فرماتا ہے تو اس تجلی سے اعیان خارجہ وجود میں آتے ہیں۔ یہ سلسلہ برابر جاری ہے " ز کر ازل سے تا بہ ابد ایک آن ہے" کے مصداق عمل تخلیق جاری ہے تجلی کا عمل مسلسل ہے۔ یہ تجلی کو تکرار نہیں ہے۔ حق تعالیٰ ایک عین پر دو بار تجلی نہیں فرماتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ایک ہی صورت میں دو اعیان پر متجلی نہیں ہوتا۔ حضرت محی الدین ابن عربیؒ نے ظہور تجلی کو "عطایائے الٰہی" کہا ہے اور اس کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ پہلی "عطایائے ذاتیہ" جو ہمیشہ تجلئ الٰہی سے ہوتے ہیں یعنی اعیان ثابتہ پر اسماء، وصفات کا ظہور ہوتا ہے دوسری "عطایائے اسمائیہ" جو پر تجلّیِ الٰہی عینِ ثابتہ کی استعداد اور اقتضاء کے مطابق ہوتی ہے۔ انھوں نے تجلّی کے اظہار کو تجلئ ذاتی، تجلئ صفاتی اور تجلئ فعلی بھی کہا ہے[1] اس نظریہ کو تجدد امثال کہتے ہیں۔ خواجہ میر دردؔ نے تجدد کو دو طرح کا بتایا ہے۔ پہلا تجدد اضافی جو مادیت سے مخصوص ہے اور حدوث زمانی کی طرح ہے جس سے مراد اعیان خارجہ ہے۔ دوسرا تجدد حقیقی جو حدوث ذاتی کی طرح تمام ممکنات کو حاصل ہے ممکنات سے مراد علم الٰہی اور اعیان ثابتہ ہے[2] مختصراً یہ کہ حق تعالیٰ مظاہر میں نئی شان سے جلوہ گر ہوتا ہے۔ ان میں زندگی کی لہر بن کر دوڑتا ہے اور ہر تغیر و تبدیلی اور حرکت اسی سے ہے "کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ" ہماری ہر روز نئی شان ہے۔ اس پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔ اردو شاعری میں یہ نظریۂ تجددِ امثال بھی ملتا ہے۔

ہر آن ہیں واردات دل پر ... آتا ہے یہ قافلہ کہاں سے (دردؔ)

آرائش جمال سے فارغ نہیں ہنوز ... پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں (غالبؔ)

ہے تجلی تیری سامان وجود ... ذرہ بے پرتو خورشید نہیں (ر)

گر کون و مکاں منظر نیرنگ نہ ہوتا ... ہر آن میں اس کا یہ نیا ڈھنگ نہ ہوتا

(شاہ نیاز بریلوی)

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید ... کہ آرہی ہے دمادم صدائے کن فیکون (اقبالؔ)

ان اشعار میں ہر آن دل پر نئی واردات کا نازل ہوتا، آرائش جمال سے فارغ نہ

---

[1] فصوص الحکم (مترجم) عبدالقدیر صدیقی الکتاب لاہور ۱۹۷۹ء ص ۱۲۵۔

[2] علم الکتاب ص ۱۳۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہونا اور ہمیشہ نقاب (کائنات کی جہت داخلی) میں آئینہ پیش نظر رکھنا، اس کی تجلی سے سامان وجود ہونا، ذرہ کا بے پرتو خورشید نہ ہونا، کن فیکون کا مظہر نیرنگ ہونا اور باری تعالیٰ کا ہر آن نیا ڈھنگ ہونا اور دمادم صدائے کن فیکون کا آنا اور کائنات کی تخلیق اور تشکیل مسلسل کا عرفان ہونا اسی نظریہ کا شاعرانہ اظہار ہے بعض اشعار میں یہ افکار گہرے رنگ مجاز کے ساتھ ظاہر ہوئے ہیں ؎

یہ کون برق تجلی ہوا ہے آفت جاں — کہ ایک دم نہیں جوں شعلہ اب قرار مجھے
کیا فیض بخشیاں ہیں رخ بے نقاب کی — ذروں میں روح دوڑ گئی آفتاب کی
رخ رنگیں پہ موجیں ہیں تبسم ہائے پنہاں کی — شعاعیں کیا پڑیں رنگت نکھر آئی گلستاں کی

(اصغر)

ان اشعار میں کسی برق تجلی کا آفت جاں ہونا اور جوں شعلہ بے قرار ہونا، رخ بے نقاب کی فیض بخشیوں سے ذروں میں آفتاب کی روح دوڑ جانا، رخ رنگیں کی تبسم ہائے پنہاں کی موجوں یعنی شعاعوں سے گلستاں کی رنگت نکھر آنا ظہور تجلی اور تخلیق مسلسل کا فنکارانہ اظہار ہے۔

ابن عربیؒ کے فلسفہ میں تنزلات کے آخری مدارج عالم ارواح، عالم امثال اور عالم اجسام ہیں۔ عالم ارواح غیر مرئی ہے۔ عالم امثال خواب ہے، عالم اجسام عالم رنگ و بو ہے۔ ابتدائی تین مراتب، مرتبۂ احدیت، وحدت اور واحدیت علم الٰہی کے مراتب ہیں۔ اور آخری تین مراحل یعنی عالم ارواح، امثال اور اجسام بالترتیب خارجی مراتب ہیں۔ عالم اجسام عالم رنگ و بو ہے جس میں کائنات اور اس کے تمام مظاہر شامل ہیں۔ انسان تمام اسرار الٰہی اور صفات کا حامل ہے اس لیے حاصل کائنات ہے۔

ابن عربیؒ کے نقطۂ نظر کی روشنی میں اگرچہ حق تعالیٰ خالق اور کائنات مخلوق ہے لیکن یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے، خدا عالم ہے اور کائنات معلوم، نیز دونوں کے مابین رشتۂ غیریت نہیں رشتۂ عینیت ہے۔ کائنات یا وجود حقیقت اعلیٰ یا وجود کے خارجی رخ اور داخلی رخ حقیقت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اعلیٰ کے داخلی رخ کا عکس ہے اور کائنات یا موجود کا ہر مظہر اعیان ثابتہ کا خارجی روپ ہے۔ جو اعیان ثابتہ کی استعداد اور مخصوص تقاضوں کے ساتھ مظاہر کی شکل میں جلوہ گر ہے اس لیے کائنات کی کثرت سمندر کی موجوں کی طرح عین وحدت ہے۔ یعنی وجود و موجود ایک ہے اور حقیقی اور واقعی ہے نیز جو کچھ ہے حق ہے حق کے سوا کچھ نہیں ہے لیکن حفظ مراتب کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ "گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی"۔ اس لیے یہ غلط ہے کہ تصوف ایک منفی فلسفہ یا نظریہ ہے۔ نیز یہ بھی غلط ہے کہ تصوف کائنات اور موجود کو شر اور قابلِ ترک قرار دیتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ تصوف کا یہ نظریہ کائنات (موجود) تقدیس اور انسان کی عظمت پر اصرار کرتا ہے۔ اور انھیں قابلِ ترک نہیں قابلِ قدر اور قابلِ تسخیر قرار دیتا ہے۔ اردو شاعری میں کائنات کی تقدیس اور انسان کی عظمت کا جہاں جہاں ذکر ہے اس پر تصوف کا اثر ہے۔ تصوف اگرچہ ایک روحانی، وجدانی اور اخلاقی انسان کے وجود پر اصرار کرتا ہے مگر اس کے مادی، شعوری اور نفسیاتی وجود کی نفی بھی نہیں کرتا۔ بلکہ ایک مکمل انسان کا تصور پیش کرتا ہے جو الجیلی کے یہاں انسان کامل اور اقبال کے یہاں "مردِ مومن" کی شکل میں نظر آتا ہے اردو شاعری میں اس انداز کا دلکش تصورِ کائنات اور تصورِ انسان پایا جاتا ہے۔ مثلاً ؎

سرسری ہم جہان سے گزرے — ورنہ ہر جا جہانِ دیگر تھا (میر)

یاں بلبل اور گل پہ تو عبرت سے آنکھ کھول — گلگشت سرسری نہیں ہے اس جہان کا (درد)

بہار ساقی ہے بزم گلشن، ہیں مطربانِ چمن شرابی — پیالہ گل، سرو سبز شیشہ، شراب بو اور کلی شرابی (سراج)

ہے مشتمل نمودِ صور پر وجودِ بحر — یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب میں (غالب)

ان اشعار میں ہر جا جہانِ دیگر دیکھنا، اس جہان پر عبرت سے آنکھ کھولنا، بہار کو ساقی، بزم کو گلشن، گل کو پیالہ، سرو سبز کو شیشہ، بو کو شراب اور کلی کو شرابی قرار دینا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور نمود صور پر وجود بحر کا انحصار ہونا وجودی فکر کا مثبت رویہ ہے۔ اب یہ شعر پڑھیے۔

خدا بندے میں آکر یوں نہاں ہے ۔۔۔ کہ جوں بو گل کی گل کے درمیاں ہے (ولی)
حسن تھا پردۂ تجرید سوں سب سے آزاد ۔۔۔ طالب عشق ہوا صورت انسان میں آ (〃)
جیوں گل شگفتہ رو ہیں سخن کے چمن میں ہم ۔۔۔ جیوں شمع سر بلند ہیں ہر انجمن میں ہم (ولی)
مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں ۔۔۔ تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں (میر)
تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو ۔۔۔ دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں (درد)
دو عالم سے کچھ پرے ہے نظر ۔۔۔ آہ کس کا دل و دماغ ہوں میں (〃)
ہے مظہر انوار صفا میری کدورت ۔۔۔ ہر چند کہ آہن ہوں پہ آئینہ بنا ہوں (〃)

ان اشعار میں خدا کا بندہ میں یوں نہاں ہونا جوں بو گل میں، حسن کا پردۂ تجرید سے آکر انسان کی صورت میں طالب عشق ہونا، سخن کے چمن میں گلوں کی طرح شگفتہ ہونا اور ہر انجمن میں شمع کی طرح سر بلند ہونا، فلک کی برسوں کی کاوش کے نتیجہ میں انسان کا خاک کے پردہ سے نکلنا۔ انسان کے گناہ آلود دامن کے نچوڑنے سے فرشتوں کا وضو کرنا، انسان کا دونوں عالم پر نظر رکھنا، اور انسان کی کدورت کا بھی مظہر صفا ہونا، انسان کی عظمت، بزرگی اور تقدیس کا رزمیہ ہے۔ یہ انسان خالص روحانی، وجدانی اور اخلاقی انسان ہے جو اپنے مادی، شعوری اور نفسیاتی وجود کی بھی نفی نہیں کرتا۔

اس تجزیہ کا یہ حاصل ہے کہ

(۱) اسلام کا بنیادی اصول توحید ہے۔ توحید کی چار قسمیں ہیں۔ ایمانی، علمی، حالی اور الٰہی۔ توحید ایمانی کی فلسفیانہ تعبیر کا نام توحید وجودی ہے۔

(۲) علم الٰہی کے تین مراتب ہیں: احدیت، وحدت اور واحدیت۔ واحدیت کی منزل معلومات الٰہی کی تفصیلی صورت ہے۔ جو اعیانِ ثابتہ کہلاتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۳) محرک تخلیق جذبۂ خود بینی اور عشق ہے۔

(۴) اعیان ثابتہ تجلیٔ الٰہی اور اسماء الٰہی سے جلوہ گر ہوتے ہیں، جس کا نام تجدد امثال ہے۔ تجلیٔ الٰہی سے اعیان ثابتہ اپنی استعداد اور اقتضائے کے مطابق خارج میں جلوہ گر ہوتی ہیں۔

(۵) تنزلات کے خارجی مراتب ہیں عالم ارواح، عالم امثال اور عالم اجسام ہیں۔ کائنات مقدس اور انسان عظیم ہے۔ اور یہ سب کچھ حق ہے۔ انسان ان سب مراتب کا جامع ہے۔ تصوف ایک روحانی، اخلاقی اور وجدانی انسان کا تصور پیش کرتا ہے جو مادی شعوری اور نفسیاتی انسان کی بھی نفی کرتا ہے۔

(۶) اردو شاعری میں یہ سارے مراحل جمالیاتی انداز سے ملتے ہیں جس سے ایک طرف اردو شاعری کا کینوس بہت وسیع ہوا ہے جس پر نئی معنویت کی بصیرت رقص کرتی ہے اور دوسری طرف ایسی جمالیاتی تسکین بھی ملتی ہے، جس کی نظیر عام طور پر نہیں ملتی۔

قرآن اور تصوف

مؤلفہ جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم۔ اے۔

تصوف اور اس کی تعلیم کا اصل مقصد عبدیت اور الوہیت کے مقامات کا تعین اور ان کے ربط و تعلق کا حصول ہے اور ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ مختلف قسم کی ذلتوں اور گمراہیوں کا سرچشمہ بن کر رہ گیا ہے۔ مؤلف نے کتاب و سنت کی روشنی میں تمام الجھنوں اور نزاکتوں کو نہایت دلنشیں اور عالمانہ پیرایہ میں واضح کیا ہے۔ شروع میں تصوف کے بارے میں ایک تحقیقی مقدمہ ہے۔ صفحات ۱۸۰، متوسط تقطیع طبع آفسٹ، قیمت مجلد -/۱۶ غیر مجلد -/۱۲

پتہ:۔

مکتبہ برہان، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی ۶

© rasailojaraid.com